تفسیرِ قرآن میں اسبابِ نزول اور نظمِ قرآن کی حیثیت: مولانا اصلاحی اور جمہور کا تقابلی مطالعہ

(Status of *Asbāb-e-Nuzūl and Naẓm-e-Quran* in *Qur'ānic* Exegesis: A Comparative Study of *Iṣlaḥī* and Mainstream Scholars)

*مظہر حسین

**حافظ فلک شیر فیضی

Abstract

Asbāb-e-Nuẓūl and *Naẓm-e-Quran* are the prominent branches of *tafsīr* sciences. This paper studies the subject in context of the views of *Amīn Aḥsan Iṣlāḥī* and mainstream scholars. Mainstream scholars value both the sciences; they oppose to prefer *Naẓm-e-Quran* over *Asbāb-e-Nuzūl*. To them, there are only a few verses in the Quran where the *Asbāb-e-Nuzūl and Naẓm-e-Quran* differ. In such a case, they prefer one over the other on the basis of arguments. While *Iṣlāḥī* gives absolute priority to the *Naẓm-e-Quran* over the *Asbāb-e-Nuzūl*. He considers *Asbāb-e-Nuzūl* an obstacle in interpretation of *Qurānic* verses. The paper supports the mainstream scholars' view. It finds better to use both the branches in *Qur'ānic* exegesis.

Key Words: *Tafsīr, Asbāb-e-Nuzūl*, *Naẓm-e-Quran*, *Iṣlāḥī*, mainstream scholars

اسبابِ نزول اور نظمِ قرآن دونوں کی تفسیر میں بہت اہمیت ہے؛ اسباب نزول کی روشنی میں آیات کے صحیح مفاہیم بیان ہوتے ہیں اور نظمِ قرآن کے ذریعے یہ واضح ہوتا ہے کہ قرآن مجید ایک منظم اور مربوط کلام ہے۔ لیکن بعض اوقات اسبابِ نزول اور نظم قرآن میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ اس حوالے سے جو مسائل سامنے آتے ہیں ان کے تناظر میں علما کے یہاں دو قسم کے

*ایسوسی ایٹ لیکچرر، یونی ورسٹی آف نارووال، نارووال

** پی ایچ ڈی سکالر، یونی ورسٹی آف گجرات، گجرات

نظریات ملتے ہیں۔ ایک نظریے کے نمایندہ حمید الدین فراہی اور مولانا امین احسن اصلاحی ہیں، جن کے نزدیک نظمِ قرآن کے بیان میں اسبابِ نزول بہت بڑی رکاوٹ ہیں؛ اگر اسباب نزول کی روایات کا خیال رکھا جائے گا تو نظمِ قرآن درہم برہم ہو جائے گا، لہٰذا اسباب نزول کو چھوڑ دیا جائے اور صرف نظم قرآن کے مطابق قرآن کی تفسیر کی جائے۔ اس نظریے کو انھوں نے اپنی تفسیر "تدبرِ قرآن" میں عملی شکل دی ہے۔ دوسری طرف جمہور ہیں جو دونوں کو اہمیت دیتے ہیں اور نظم کو قطعی ماننے اور اسباب نزول کو اس میں رکاوٹ سمجھنے کے خلاف ہیں۔ زیرِ نظر مضمون میں ان دو نظریات کا مطالعہ مقصود ہے۔

اسبابِ نزول کا مفہوم

مولانا امین احسن اصلاحی کا شانِ نزول کا اپنا ایک خاص مفہوم ہے، جو جمہور مفسرین سے مختلف ہے۔ وہ شان نزول کو قرآن کے اندر سے اخذ کرنے پر زور دیتے ہیں۔ انھوں نے اپنے استاد حمید الدین فراہی کے حوالے سے لکھا ہے کہ شان نزول کا مطلب جیسا کہ بعض لوگوں نے غلطی سے سمجھا ہے یہ نہیں ہے کہ وہ کسی آیت یا سورہ کے نزول کا سبب ہوتا ہے، بلکہ اس سے مراد لوگوں کی وہ حالت اور کیفیت ہوتی ہے جس پر وہ کلام برسر موقع حاوی ہوتا ہے۔ کوئی سورہ ایسی نہیں ہے جس میں کسی خاص امر یا چند خاص امور کو مد نظر رکھے بغیر کلام کیا گیا ہو اور وہ امور جو کسی سورہ کو مد نظر ہوتے ہیں اس سورہ کے مرکزی مضمون کے تحت ہوتے ہیں۔ لہٰذا اگر شانِ نزول معلوم کرنی ہو تو اس کو خود سورہ سے معلوم کرو۔[1] جب کہ جمہور کے نزدیک اسباب نزول سے مراد وہ خاص پس منظر اور حالات وواقعات ہیں جن میں قرآن کی بعض آیتیں یا سورتیں نازل ہوئی ہیں۔ ان کے نزدیک یہ پس منظر اسباب نزول کی روایات سے ملتا ہے نہ کہ سورت کے اندر سے اخذ کیا جاتا ہے۔ علامہ زرقانی نے "مناهل العرفان فی علوم القرآن" میں سبب نزول کی تعریف یوں کی ہے:**هو ما نزلت الآية او الآيات متحدثة عنه او مبينة لحكمه ايام وقوعه**[2]"سببِ نزول وہ ہے جس کے بارے میں کوئی ایک آیت یا زیادہ آیات اس کے وقوع پذیر ہونے کے دنوں میں نازل ہوئی ہوں اور ان آیات میں اس یا اس کے کسی حکم کا بیان ہو۔" شیخ مناع القطان نے اپنی کتاب "مباحث فی علوم القرآن" میں سبب نزول کی یہ تعریف کی ہے:**هو ما نزل قرآن بشانه وقت وقوعه كحادثة او سوال**-[3]"سببِ نزول وہ ہے، جس کے بارے میں قرآن اس کے وقوع پذیر ہونے کے وقت نازل ہوا جیسے کوئی واقعہ یا سوال۔"

اسباب نزول کے حجت ہونے کی بحث

---

[1] مولانا امین احسن اصلاحی، تدبرِ قرآن (لاہور: فاران فاؤنڈیشن، 2009ء)، 1: 31۔

[2] محمد عبد العظیم الزرقانی، مناہل العرفان فی علوم القرآن (بیروت: دار الکتاب العربی، طبع اول، 1995ء)، 1: 89۔

[3] مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن (قاہرہ: مکتبہ وھبہ، 2000ء)، 74۔

جمہور مفسرین کے نزدیک سبب نزول کی بہت زیادہ اہمیت ہے؛ وہ اسے حجت سمجھتے ہیں۔ جب محدثین کے اصولوں کی روشنی میں ایک روایت صحیح ثابت ہو جائے اور مفسرین کے اصولوں کی روشنی میں وہ روایت کسی آیت کا سبب نزول متعین ہو جائے، تو جمہور مفسرین کے نزدیک اس کی روشنی میں آیت کی تفسیر ضروری ہے۔ ابن تیمیہ (728ھ) "مقدمہ فی اصول التفسیر" میں لکھتے ہیں: **إذا ذكر سببا نزلت عقبة، فإنهم كلهم يدخلون مثل هذا في المسند.**[4] "جب صحابی کوئی سبب نزول ذکر کرے، اور اس کے بعد یہ کہے کہ یہ آیت اس کے بعد نازل ہوئی تو تمام محدثین اس قسم کی روایات کو مسند (مرفوع) میں شامل کرتے ہیں۔" زرقانی نے واضح کیا ہے کہ سببِ نزول کسی صحابی سے مروی ہو تو وہ حجت ہے اگرچہ اسے کسی روایت سے تقویت نہ بھی پہنچے، اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی ایسی چیز کے بارے میں صحابی کا قول جس میں اجتہاد و رائے کا دخل نہ ہو، اس کا حکم مرفوع حدیث کا ہے۔[5]

نظمِ قرآن اور اسبابِ نزول سے تفسیر میں اختلاف کی مثال

نظم اور سببِ نزول کو اہمیت دینے کی بنیاد پر تفسیر میں جو اختلاف رونما ہوتا ہے اس کی ایک مثال درج ذیل ہے۔ قرآن حکیم میں ہے:

> **مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ۔ لَوْلَا كِتَابٌ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ**[6]
>
> نبی کے ہاتھ میں قیدی نہیں چاہییں، جب تک کہ ملک میں اچھی طرح خون ریزی کی جنگ نہ ہو جائے۔ تم تو دنیا کے مال چاہتے ہو اور اللہ کا ارادہ آخرت کا ہے، اور اللہ زور آور، باحکمت ہے۔ اگر پہلے ہی سے اللہ کی طرف سے بات لکھی ہوئی نہ ہوتی، تو جو کچھ تم نے لے لیا ہے، اس بارے میں تمھیں کوئی بڑی سزا ہوتی۔

اس آیت کا روایات میں عموماً بیان ہونے والا سببِ نزول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مشورے کے مطابق غزوہ بدر کے قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ اس پر اللہ کی طرف سے ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا اور اس کے عتاب میں یہ آیات نازل ہوئیں۔[7] اس کے مطابق آیت میں خطاب نبی کریم ﷺ اور آپؐ کے صحابہ سے ہے۔ اس کے برعکس مولانا اصلاحی کا خیال ہے کہ ان آیات میں خطاب قریش مکہ سے ہے اور ان سے کہا جا رہا ہے کہ تم نبی ﷺ پر یہ الزام جو لگاتے ہو کہ یہ

---

[4] تقی الدین احمد بن حلیم ابن تیمیہ، مقدمہ فی اصول التفسیر، (بیروت: دار مکتبۃ الحیاۃ، 1980ء)، 16۔

[5] الزرقانی، مناهل العرفان فی علوم القرآن، 1: 95۔

[6] الانفال، 8: 67، 68۔

[7] حافظ عماد الدین ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، تحقیق۔ مصطفیٰ السید محمد (قاہرہ: مؤسسہ قرطبہ، 2000ء)، 7: 119۔

ہوسِ اقتدار میں مبتلا ہیں، اپنی قوم میں انھوں نے خونریزی کرائی، اپنے بھائیوں کو قید کیا، ان کا مال لوٹا، ان سے فدیہ وصول کیا، یہ ساری باتیں تمھاری کھسیاہٹ مٹانے کے لیے ہیں۔ کوئی نبی اس بات کا روادار نہیں ہوتا کہ وہ قیدی پکڑنے، فدیہ وصول کرنے اور مال غنیمت لوٹنے کے شوق میں ملک میں خونریزی برپا کردے۔ یہ باتیں تم اس لیے کہتے ہو کہ تم نبی ﷺ کو اپنے اوپر قیاس کرتے ہو۔ تمھاری چاہتیں چونکہ یہی کچھ ہیں، تم سمجھتے ہو کہ نبی بھی یہی کچھ چاہتا ہے۔[8]

گویا مولانا اصلاحی نے اس آیت میں سببِ نزول کی روایات کو قبول نہیں کیا اور اپنے طریقے کے مطابق جمہور سے ہٹ کر ایک نئی تفسیر بیان کی ہے۔ ان کے نزدیک اس آیت کا مخاطب مسلمانوں کو اور وہ بھی سید عالم ﷺ اور صدیق اکبر کو ماننے کی کوئی گنجایش نہیں۔

نظمِ قرآن کی حیثیت میں اصلاحی اور جمہور کا فرق

جمہور مفسرین نے بھی اپنے اپنے انداز میں ایک عمومی نظمِ قرآن بیان کیا ہے، لیکن مولانا امین احسن اصلاحی نے اس ضمن میں مختلف رویہ یہ اختیار کیا ہے کہ آیات کے عمومی ربط پر اکتفانہ کرتے ہوئے ہر سورت کو ایک وحدت اور پورے کلام کو کلام واحد کی صورت میں پیش کیا ہے۔ نظم کے حوالے سے اہلِ علم و تفسیر کا کام کو دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ وقت کی ضرورت کے مطابق اکثر مفسرین نے نظمِ قرآن کو مدِ نظر رکھا اور اس حوالے سے کام کیا ہے۔ کسی نے نظمِ قرآن کو اعجاز قرآن کی وجہ قرار دیا، کسی نے آیات و سور کے درمیان ربط قائم کیا، کسی نے ایک سورت کی تمام آیات کے درمیان ربط قائم کرکے اسے مربوط صورت میں پیش کیا، کسی نے سورت کا ایک مرکزی موضوع متعین کرکے اس کے باقی اجزا کو منظم صورت میں پیش کیا، کسی نے پورے قرآن کو چند حصوں میں تقسیم کرکے اسے ایک منظم کتاب کی صورت میں پیش کیا اور کسی نے نظمِ قرآن کو ایک مستقل فن کے طور پر پیش کیا ہے۔ اس اعتبار سے مولانا اصلاحی کا تصورِ نظمِ قرآن جمہور مفسرین کے کام کی تکمیل ہے۔ البتہ اصلاحی صاحب اور دیگر مفسرین کے تصورِ نظم میں اختلاف یہ ہے کہ مولانا اصلاحی نے نظمِ قرآن کو تفسیر کے داخلی وسائل میں شامل کر دیا ہے، اور خارجی وسائل کو اس کے تابع کر دیا ہے۔ ان کے مطابق فہم قرآن کے داخلی وسائل قرآن مجید کی زبان، اس کا نظم اور تفسیرِ قرآن بالقرآن شامل ہیں اور خارجی وسائل میں سنت متواترہ و مشہورہ، احادیث و آثارِ صحابہ، شانِ نزول، کتبِ تفسیر، قدیم آسمانی صحیفے اور تاریخ عرب شامل ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگرچہ امکان کی حد تک میں نے خارجی وسائل سے بھی فائدہ اٹھایا ہے، لیکن ان کو داخلی وسائل کے تابع رکھ کر ان سے استفادہ کیا ہے۔ جو بات قرآن کے الفاظ، قرآن کے نظم اور قرآن کی خود اپنی شہادتوں اور نظائر سے واضح ہو گئی ہے، وہ میں نے لے لی ہے۔ اگر کوئی چیز اس کے خلاف میرے سامنے آئی ہے، تو میں نے اس کی قدر و قیمت اور اہمیت کے اعتبار سے اس کو جانچا ہے۔ اگر دینی و علمی پہلو سے وہ کوئی اہمیت رکھنے والی بات ہوئی ہے، تو میں نے اس پر تنقید کرکے اس کو سمجھنے اور اس کے صحیح پہلو کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اگر بات کچھ یوں ہی سی ہوئی ہے تو اس کو نظر انداز کر دیا ہے،

---

[8] اصلاحی، تدبر قرآن، 3: 511.

بے ضرورت اس پر طبع آزمائی نہیں کی ہے۔[9] یوں اصلاحی صاحب نظم قرآن کو دیگر خارجی وسائلِ تفسیر جیسے سنت، حدیث، اسبابِ نزول اور کتب تفسیر وغیرہ سے بھی زیادہ اہمیت دیتے نظر آتے ہیں۔ جب کہ جمہور کے نزدیک نظمِ قرآن بھی اپنی جگہ اہمیت کا حامل ہے، لیکن باقی وسائل نظمِ قرآن کے تابع نہیں۔ جمہور نے تفسیر کے جو وسائل بیان کیے ہیں ان میں تفسیر القرآن بالقرآن، تفسیر القرآن بالحدیث النبوی، تفسیر القرآن باقوال الصحابۃ، تفسیر القرآن باقوال التابعین، تفسیر القرآن باللغۃ العربیہ وغیرہ شامل ہیں۔[10] گویا جمہور مفسرین نے عام طور پر مآخذ و اصولِ تفسیر میں نظم قرآن کو شامل نہیں کیا۔ وہ نظم قرآن سے استفادہ کرتے ہیں اور اس کو فوائد و نکات کی حد تک ہی رکھتے ہیں۔ عام طور پر اس کو باقاعدہ اصول تفسیر میں جگہ نہیں دی گئی۔

دونوں کا تقابلی جائزہ لینے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مولانا اصلاحی نے باقی اصول تفسیر کو نظم قرآن کے تابع کر دیا ہے اور خارجی وسائل اور داخلی وسائل کی تقسیم جمہور مفسرین سے مختلف کی ہے۔ جس کے نتیجے میں مولانا اصلاحی کے نزدیک سنت، احادیث اور اسباب نزول وغیرہ نظمِ قرآن کے تابع ہو جاتے ہیں۔ جب کہ جمہور کے نزدیک تفسیر القرآن بالقرآن کے بعد سب سے زیادہ اہمیت احادیث اور آثار صحابہ کو حاصل ہے۔ یہی اصولی اختلاف ہے جس کی وجہ سے بعض اوقات مولانا اصلاحی کی تفسیر جمہور مفسرین سے بہت مختلف ہوتی ہے۔ ان نظریات کے مطالعے سے درست صورت یہ معلوم ہوتی ہے کہ نظمِ قرآن کو ایک اصول تفسیر کے طور پر لیا جائے اور اسے باقی اصول تفسیر پر ترجیح نہ دی جائے، ہر اصول کو اس کے مطابق صحیح اہمیت دی جائے تو صحیح تفسیر سامنے آتی ہے۔

اسبابِ نزول کے تفسیر میں رکاوٹ ہونے کی بحث

مولانا امین احسن اصلاحی کے نزدیک اسبابِ نزول کی روایات نظمِ قرآن کو درہم برہم کر دیتی ہیں۔ اس معاملے میں لوگوں نے بہت افراط سے کام لیا ہے۔ شاید ہی کوئی ایسی آیت نکلے جس کے نیچے کوئی قصہ درج نہ ہو۔ اور عموماً یہ قصے بالکل بے بنیاد ہیں اور محدثین کے نزدیک ناقابلِ اعتبار۔ طالبِ قرآن کو ان قصوں میں نہیں الجھنا چاہیے۔ ان قصوں کو قرآن کے فہم میں نہ صرف یہ کہ کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ یہ قرآن کے لیے حجاب اکبر ہیں ، بالخصوص جو طلبہ نظم قرآن کے جو، یا ہوں (اور فہم قرآن کی اصل راہ یہی ہے) ان کے لیے ان قصوں سے بڑھ کر کوئی روک نہیں ہے۔[11]

---

[9] اصلاحی، تدبر قرآن، 1: 13، 14۔

[10] دیکھیے: ابن تیمیہ، مقدمہ فی اصول تفسیر، 39- 46۔

[11] مولانا امین احسن اصلاحی، مبادی تدبر قرآن (لاہور: فاران فاؤنڈیشن، 1996ء)، 175،210۔

جمہور مفسرین اسباب نزول کو نظم قرآن میں رکاوٹ نہیں سمجھتے بلکہ اسباب نزول اور نظم قرآن دونوں سے ان کی اہمیت کے مطابق استفادہ کرتے ہیں۔[12]

تحقیق کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مولانا اصلاحی کا یہ طریقہ بھی درست نہیں ہے کہ اسباب نزول کو نظم قرآن میں رکاوٹ سمجھ کر ترک دیا جائے۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ غور و فکر اور اجتہاد پر مبنی نظم قرآن کے مقابلے میں صحیح اور مستند روایات پر مبنی اسباب نزول کو چھوڑ دیا جائے۔ اگر ہر آیت کی تفسیر میں اسباب نزول بیان کرنے شروع کر دیے جائیں تو یہ رویہ بھی غلط ہو گا اور اس صورت میں اصلاحی صاحب کی بات میں وزن ہو گا، لیکن جب اسباب نزول میں تحقیق کی جاتی ہے اور صحیح روایات کی بنا پر اسباب نزول کا تعین کیا جاتا ہے، تو یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ قرآن مجید کی زیادہ تر آیات میں اسباب نزول نہیں ہیں۔ لہذا ایسی آیات میں اسباب نزول نظم قرآن میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ اسی طرح جن آیات میں تحقیق کے بعد اسباب نزول کا تعین کیا جاتا ہے، ان میں بھی اسباب نزول نظم قرآن میں رکاوٹ نہیں ہوتے۔

اسبابِ نزول کو رکاوٹ سمجھ کر ترک کرنے سے تفسر قرآن کے باب میں بہت سے مسائل سامنے آتے اور بہت سے فوائد سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔ یہ اسبابِ نزول ہی ہیں جن کی مدد سے آیت کے صحیح مفہوم کے تعین میں مدد حاصل ہوتی ہے، قرآنی آیات کے احکام کی حکمتیں معلوم ہوتی ہیں، قرآن کے بعض الفاظ کی افادیت کا پتہ چلتا ہے، بہت سے قرآنی واقعات کا صحیح مفہوم واضح ہوتا ہے، اس شخص کے بارے معلومات ملتی ہیں جس کے بارے میں کوئی آیت نازل ہوئی ہو۔ گویا اسباب نزول کے بغیر تفسیر میں خلا نظر آئے گا، جیسا کہ اصلاحی صاحب کی تفسیر میں بہت سے مقامات پر دیکھا جا سکتا ہے۔

اگر دونوں موقف کا تقابل کر کے دیکھا جائے تو ہمارے نزدیک اعتدال ہی بہترین رستہ ہے۔ اصلاحی صاحب کے مکتبِ فکر کو چاہیے کہ وہ صحیح اور مستند اسباب نزول سے ضرور استفادہ کریں۔ اسی طرح جمہور میں سے جن مفسرین نے اسباب نزول کے بیان میں افراط سے کام لیا ہے، اس میں بھی تحقیق کر کے صرف صحیح اور مستند اسباب نزول کو لیا جانا چاہیے۔

نظم قرآن اور اسباب نزول میں ترجیح: اصلاحی صاحب اور جمہور کا طرزِ عمل

مولانا اصلاحی کا خیال ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر میں اصل الاصول خود قرآن کے الفاظ، اس کے شواہد و نظائر اور کلام کے سیاق و سباق اور اس کے نظم کا لحاظ ہے۔ ضروری ہے کہ ہر آیت کی تاویل میں ان چیزوں کو مقدم رکھا جائے۔[13] ان کا

[12] اس ضمن میں تفصیلات کے لیے دیکھیے: بدر الدین الزرکشی، البرھان فی علوم القرآن، تحقیق۔ محمد ابو الفضل ابراہیم (دار التراث، س ن)، 1: 327؛ برہان الدین ابراہیم بن عمر البقاعی، نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور (قاہرہ: دار الکتاب الاسلامی، س ن)، 1: 6۔

[13] مولانا امین احسن اصلاحی، مبادی تدبر قرآن، 181۔

کہنا ہے کہ اگر تم طمانیت اور یقین کے طالب ہو تو شانِ نزول کی پیروی میں سر رشتہ نظم کو ہاتھ سے نہ جانے دینا۔ ورنہ تمھاری مثال صحرا کے اس مسافر کی مانند ہو جائے گی جو اندھیرے میں کسی چوراہے پر پہنچ گیا ہے اور نہیں جانتا کہ اب کدھر جائے۔ شانِ نزول خود قرآن کے اندر سے اخذ کرنی چاہیے اور احادیث وآثار کے ذخیرے میں صرف وہ چیزیں لینی چاہئیں جو نظم قرآن کی موافقت کریں نہ کہ اس کے سارے نظم کو درہم برہم کرکے رکھ دیں۔[14] اسباب نزول اور نظم قرآن کے درمیان اختلاف میں جمہور مفسرین کا طرز عمل یہ ہے کہ دلائل کی بنا پر دیکھتے ہیں۔ اگر دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں اسباب نزول کا خیال رکھنا چاہیے تو وہ اسباب نزول کو ترجیح دیتے ہیں اور اس کے مطابق آیت کی تفسیر کرتے ہیں۔ لیکن اگر دلائل نظم قرآن کے حق میں زیادہ ہوں تو وہ نظم قرآن کو ترجیح دیتے ہیں اور اس کے مطابق آیت کی تفسیر کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں یہ بھی ممکن ہے کہ ایک مفسر اسباب نزول کو ترجیح دے اور دوسرا مفسر نظم قرآن کو ترجیح دے۔ جس کے نتیجے میں دو مختلف تفاسیر سامنے آسکتی ہیں۔

مولانا اصلاحی کے اصول کی روشنی میں اگر نظم قرآن کو اصل مانا جائے یا اسے تفسیر کا مصدر تسلیم کیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ یہ قرآن کا سیاق وسباق ہی ہے۔ لیکن جب مولانا اصلاحی نظم قرآن کو اسباب نزول پر مطلقاً ترجیح دیتے ہیں تو ان کے اس نظریے میں غلو نظر آتا ہے اور یہی وہ نکتہ ہے جس میں جمہور سے ان کا اختلاف ہو جاتا ہے۔ نظم قرآن غور و فکر اور اجتہاد پر مبنی ہے جس میں خطا وصواب دونوں کا امکان ہوتا ہے، جب کہ اسباب نزول احادیث وآثار پر مشتمل ہیں جن میں رائے کا دخل نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ کیسے ممکن ہے کہ احادیث وآثار پر نظم قرآن کو مطلقاً ترجیح دی جائے حالانکہ اسباب نزول میں مروی احادیث وآثار میں اجتہاد نہیں ہے جب کہ نظم قرآن غور وفکر اور اجتہاد پر مبنی ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ اسباب نزول میں مروی رویات میں صحیح اور ضعیف دونوں قسم کی روایات ہوتی ہیں اور یہ مشکل ہے کہ اسباب نزول کی مدد سے کسی صحیح تفسیر تک پہنچا جاسکے، تو نظم قرآن میں بھی تو مفسر کی رائے ہوتی ہے، جو صحیح بھی ہوسکتی ہے اور غلط بھی۔ اس بات کا امکان موجود ہے کہ مفسر نظم قرآن کی ایک کمزور یا غلط توجیہ بیان کردے تو ایسی صورت میں یہ کیسے ممکن ہے کہ اس توجیہ کو اسباب نزول پر مطلقاً ترجیح دی جائے؟

اسی طرح جمہور مفسرین میں سے بھی اگر کوئی ہر آیت کی تفسیر میں اسباب نزول کی روایات ذکر کرنا شروع کردے اور نظم قرآن کو بالکل نظر انداز کردے تو اس میں بھی غلو ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ قرآن کی زیادہ تر آیات بغیر کسی سبب کے نازل ہوئی ہیں۔ جن آیات میں اسباب نزول ہیں ان میں بھی اسباب نزول کے تعین میں تحقیق کی ضرورت ہوتی ہے۔ پہلے

---

[14] اصلاحی، تدبر قرآن، 1: 31۔

مرحلے میں روایت کی صحت کو دیکھا جاتا ہے۔ جب روایت صحیح ثابت ہو جائے تو پھر اسباب نزول کے صیغے کو دیکھا جاتا ہے اور پھر اسباب نزول کا تعین کیا جاتا ہے۔ لہذا اسباب نزول کے ضمن میں اعتدال کی ضرورت ہے۔

صحیح طریقہ یہ ہے کہ نظم قرآن اور اسباب نزول کے بارے میں اعتدال اختیار کیا جائے اور دونوں سے رہنمائی لی جائے۔ دونوں میں سے کسی ایک کے بارے میں غلو سے کام نہ لیا جائے۔ دونوں کو تفسیر میں اہمیت دی جائے۔ کسی ایک کو دوسرے پر مطلقاً ترجیح نہ دی جائے۔ دونوں کے بارے میں تحقیق سے کام لیا جائے۔ نظم قرآن کو اجتہاد اور رائے کی نظر سے دیکھا جائے۔ اسی طرح اسباب نزول میں صحیح اور مستند اسباب نزول کو اختیار کیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ مذکورہ صحیح روایت سبب نزول پر دلالت کرتی ہے یا نہیں۔ اگر کسی صورت میں سبب نزول اور نظم قرآن میں اختلاف پیدا ہو جائے جس میں تطبیق ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں دلائل کی بناء پر کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح دی جا سکتی ہے۔ ایسی صورت میں یہ بھی ممکن ہے کہ ایک مفسر سبب نزول کو ترجیح دے تو دوسرا مفسر نظم قرآن کو ترجیح دے۔ لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ تفسیر میں تعارض کی یہ صورت بہت ہی کم ہے۔

نظمِ قرآن اور اسبابِ نزول کی قطعیت وظنیت کی بحث

مولانا امین احسن اصلاحی کے نزدیک نظم قرآن قطعی ہے، جب کہ سبب نزول ظنی ہے۔ انھوں نے اپنی کتاب "مبادی تدبر قرآن" میں تفسیر کے چار قطعی اصول بیان کئے ہیں:[15] قرآن کی زبان، نظم قرآن، تفسیر قرآن بالقرآن، سنت متواترہ و مشہورہ۔ ان کا کہنا ہے کہ قرآن مجید کے سمجھنے میں دوسری چیز جس کا اہتمام ناگزیر ہے اور جو صحیح تاویل کے تعین میں ایک فیصلہ کن عامل ہے وہ کلام کا نظم ہے۔[16] تفسیر کے چار قطعی اصول بیان کرنے کے بعد مولانا اصلاحی نے قرآن کے ظنی ماٰخذ بیان کئے ہیں جن میں سے پہلا ماخذ احادیث وآثار صحابہ ہیں۔ پھر انھی کے ضمن میں اسباب نزول کو بیان کیا ہے،[17] جب کہ جمہور مفسرین کے نزدیک نظمِ قرآن ظنی ہے۔ یہ علم مفسر کے غور و فکر اور اجتہاد پر مبنی ہے۔ نظم قرآن میں مختلف مفسرین مختلف توجیہات پیش کرتے ہیں۔ بعض اوقات ایک مفسر کی رائے دوسرے مفسر سے مختلف ہوتی ہے۔ نظم قرآن میں پیش کیے جانے والے نکات مفسرین کی آرا ہیں۔ ایسی کوئی چیز قرآن و حدیث میں منصوص نہیں ہے۔ لہذا ان آرا میں صحت اور خطا کا امکان بھی موجود ہے۔ مثلاً علامہ سیوطی نے واضح کیا ہے کہ نظم قرآن کی تلاش کے لئے "غور و فکر" کی ضرورت ہے۔[18] یہ غور و فکر ہر مفسر کا دوسرے مفسر سے مختلف ہو گا جس کے نتیجے میں نظم قرآن کی

---

[15] اصلاحی، مبادی تدبر قرآن، 191۔

[16] اصلاحی، مبادی تدبر قرآن،، 194۔

[17] اصلاحی، مبادی تدبر قرآن،، 218، 219۔

[18] دیکھیے: جلال الدین السیوطی، الاتقان فی علوم القرآن (مدینہ منورہ: مجمع الملک فہد، 1426ھ)، 5: 1846۔

توجیہات بھی بعض اوقات مختلف ہو جاتی ہیں۔ یہی رائے باقی مفسرین کی بھی ہے۔ جمہور مفسرین کے نزدیک نظم قرآن کا علم "غور و فکر" پر مبنی ہے اور غور و فکر کے نتیجے میں ظنی علم حاصل ہوتا ہے نہ کہ قطعی۔

دونوں نظریات کا تقابل کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ مولانا اصلاحی جب نظم قرآن کو قطعی کہتے ہیں، تو اس میں غلو سے کام لیتے ہے۔ کیونکہ نظم قرآن میں "غور و فکر اور اجتہاد" کا دخل ہے، جس کے نتیجے میں خطا اور صواب دونوں کا امکان ہوتا ہے، لہٰذا اسے قطعی قرار دینا درست نہیں ہے۔ اس ضمن میں مثال کے طور کہا جا سکتا ہے کہ امام زمخشری، امام رازی اور امام بقاعی تینوں کے نظمِ قرآن میں واضح فرق نظر آتا ہے۔ اسی طرح نظم قرآن کی قطعیت کے داعی مولانا امین احسن اصلاحی اور ان کے استاد مولانا حمید الدین فراہی کے درمیان بھی نظم قرآن کی توجیہات میں اختلاف ہے۔ مولانا فراہی اور مولانا اصلاحی دونوں نے قرآن مجید کی سورتوں کی گروپ بندی کی ہے۔ دونوں کے درمیان اس گروپ بندی میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مولانا فراہی کے ہاں سورتوں کے گروپ نو(9) ہیں جب کہ اصلاحی صاحب کے ہاں سورتوں کے گروپ سات (7) ہیں۔ پھر ان گروپوں میں سورتوں کی تقسیم میں بھی اختلاف ہے۔ یہ گروپ بندی ظاہر ہیں ان دونوں حضرات کے ذاتی غور و فکر کا نتیجہ ہے۔ لہٰذا اس گروپ بندی کو قطعیت کا درجہ کیسے دیا جا سکتا ہے؟

اس کے برعکس اسباب نزول میں اجتہاد نہیں ہے، یہ نقل پر مبنی ہے جس میں عقل کا کوئی دخل نہیں ہے۔ ہاں البتہ سبب نزول کے تعین میں اجتہاد کو دخل ہوتا ہے کہ مروی روایت آیت کا سبب نزول ہے یا نہیں؟ لہٰذا اگر اسباب نزول کو ظنی قرار دیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن جب نظم قرآن کو قطعی اور اسباب نزول کو ظنی قرار دیا جائے، تو اس کے نتیجے میں نظم قرآن کو اصل حیثیت حاصل ہو جاتی ہے اور اسباب نزول کی حیثیت ثانوی ہو جاتی ہے۔

وسائلِ تفسیر میں لغتِ عرب کی قطعیت و ظنیت کی بحث

یہ بات تعجب انگیز ہے کہ وسائلِ تفسیر میں مولانا اصلاحی نے لغتِ عرب کو بنیادی اور قطعی قرار دیا ہے، جب کہ احادیث و آثار اور اسباب نزول کو ظنی قرار دیا ہے، حالانکہ جو مسائل احادیث و آثار کے ساتھ ہیں، اس سے کہیں زیادہ لغتِ عرب کے ساتھ بھی ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ احادیث و آثار میں صحیح اور ضعیف دونوں چیزیں موجود ہیں، جس کی وجہ سے اسے ظنی قرار دیا جاتا ہے، تو لغتِ عرب بھی ہم تک قطعیت کے ساتھ نہیں پہنچی۔ اور اسی طرح اگر یہ کہا جائے کہ اسبابِ نزول میں بے شمار روایات مروی ہوتی ہیں جن کی وجہ سے قرآنی آیات کے معنی کے تعین میں اضطراب پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے اسے ظنی قرار دیا جاتا ہے، تو عربی زبان و ادب میں بھی بعض اوقات ایک ایک لفظ کے کئی کئی معانی ہمارے سامنے آتے ہیں جن کی وجہ سے تفسیر میں اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ تو ہم عربی زبان کو قطعیت کا درجہ کیسے دے سکتے ہیں؟

لہذا نظم قرآن کا علم ظنی و اجتہادی ہے، توقیفی یا قطعی نہیں ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ اسباب نزول کے ساتھ ساتھ، نظم قرآن کو بھی ظنی ہی سمجھا جائے اور دونوں میں سے کسی کو بھی قطعیت کا درجہ نہ دیا جائے۔ تفسیر میں دونوں سے رہنمائی لی جائے اور دونوں کو برابر اہمیت دی جائے۔ اگر کسی آیت کی تفسیر میں اسباب نزول اور نظم قرآن میں اختلاف پیدا ہو جائے تو ان کے درمیان تطبیق پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔ لیکن اگر تطبیق ممکن نہ ہو تو دلائل کی بنا پر کسی ایک کو ترجیح دی جا سکتی ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن کسی ایک کو مطلقا قطعی ماننا اور دوسرے کو ظنی ماننا درست نہیں ہے کیونکہ دونوں میں اجتہاد کا عمل دخل ہے۔

خلاصۂ بحث

مولانا اصلاحی اسباب نزول اور نظم قرآن کو ایک دوسرے کی ضد سمجھتے ہیں، جب کہ جمہور مفسرین کے نزدیک ان دونوں میں عام طور پر کوئی اختلاف نہیں ہے۔ وہ اسباب نزول اور نظم قرآن دونوں کو ساتھ لے کر چلتے ہیں۔ ان کے نزدیک قرآن مجید میں صرف چند ایک آیات ہیں جہاں پر اسباب نزول اور نظم قرآن میں اختلاف ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں جمہور دلیل کی بنا پر کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح دیتے ہیں۔ مولانا اصلاحی نظم قرآن کو اسباب نزول پر مطلقا ترجیح دیتے ہیں۔ جمہور مفسرین اسبابِ نزول اور نظمِ قرآن دونوں سے استفادہ کرتے ہیں، کسی ایک کو دوسرے پر مطلقا ترجیح نہیں دیتے۔ مولانا اصلاحی نظم قرآن کو قطعی جب کہ اسبابِ نزول کو ظنی مانتے ہیں۔ اس کے برعکس جمہور مفسرین نظمِ قرآن کو ظنی سمجھتے ہیں۔ ہمارے نزدیک جمہور کا طریقہ زیادہ بہتر ہے کہ وہ اسباب نزول اور نظم قرآن دونوں میں سے کسی ایک کو بھی ترک نہیں کرتے اور آیات کی تفسیر میں دونوں کا خیال رکھتے ہیں۔ مولانا اصلاحی نے اسبابِ نزول اور نظمِ قرآن میں اختلاف کے حوالے سے شدت کا مظاہرہ کیا ہے اور نظم قرآن میں رکاوٹ سمجھتے ہوئے اسباب نزول کو چھوڑ دیا ہے۔ ان کا یہ مؤقف محل نظر ہے اور اس میں نظر ثانی کی ضرورت ہے۔